مسئلہ قراۃ خلف الامام

از قلم

مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی

منجانب
النعمان سوشل میڈیا سروسز

مسئلہ قراءۃ خلف الامام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد!

اتوار کا دن تھا۔ سکول اور کالج میں چھٹی تھی کہ اچانک ۱۸ کے قریب آدمی آوارد ہوئے۔ جن میں دو مولوی صاحبان تھے۔ دو پروفیسر صاحبان تھے۔ تین عام اشخاص تھے اور باقی کالج کے طلباء تھے۔ ایک صاحب نے بات شروع کی کہ ہمارے چند لڑکے جہاد کے شوق میں ایک تنظیم میں جہاد کی تربیت کے لئے چلے گئے وہ اپنے آپ کو لشکر طیبہ کہتے ہیں۔ یہ دو تین ماہ بعد آئے ہیں تو تمام اہل سنت کو مشرک اور بے نماز کہتے ہیں۔ اب یہ ان کے ساتھ دو مولوی صاحبان اور تین تنظیمی ارکان آئے ہیں۔ یہ کچھ سمجھنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا آپ پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ جب یہ لڑکے ان کے پاس گئے تو یہ خالی الذہن تھے۔ وہ دو تین ماہ جو کچھ انہیں کہتے رہے یہ ہر ہر بات قبول کرتے رہے۔ اب جو یہاں آئے ہیں تو یہ خالی الذہن نہیں ہیں بلکہ جیسے آپ نے خود فرمایا کہ یہ ہمیں مشرک اور بے نماز کہتے ہیں۔ اب نہ یہ ہی چاہتے ہیں کہ جو کچھ ذہن میں ہے اس کو نکالیں۔ بلکہ دو مولوی صاحبان اور تین اور ساتھیوں کو بھی ساتھ لائے ہیں کہ وہ بات کو الجھاتے جائیں اور یہ اسی طرح واپس جائیں اور جا کر یہ پروپیگنڈہ کریں کہ ہم فلاں فلاں مولوی صاحبان کے پاس گئے تھے لیکن ہمیں مطمئن نہیں کر سکے۔

دلائل :

میں نے کہا کہ میں اہل سنت والجماعت سے ہوں۔ یہ فرمائیے کہ اس وقت بات بادلیل ہوگی یا بلا دلیل، کہنے لگے بات بادلیل ہوگی۔ ہم بے دلیل بات ماننے کو شرک تقلیدی سمجھتے ہیں۔ میں نے کہا پھر ہم اہل سنت والجماعت بالترتیب چار دلائل مانتے ہیں۔ (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اجماع امت (۴) قیاس۔ آپ بھی فرمادیں کہ آپ کے دلائل کیا ہیں؟ کہنے لگے ہم صرف اور صرف دو دلائل مانتے ہیں۔ قرآن اور حدیث۔ آپ بھی اس سے باہر نہیں نکلیں گے اور ہم بھی نہیں نکلیں گے۔ میں نے کہا کہ میں تو چار دلائل مانتا ہوں۔ میں اپنے دو دلائل کیوں چھوڑوں؟ کہنے لگے جب ہمارے ساتھ بات ہے اور ہم صرف دو دلیلیں ہی مانتے ہیں تو آپ کو بھی اسی کی پابندی کرنا ہوگی۔ میں نے کہا کہ آپ کے بھائی اہل قرآن صرف ایک دلیل مانتے ہیں یعنی صرف قرآن۔ تو آپ لکھ دیں کہ اگر ہماری بات اہل قرآن سے ہو تو ہم صرف اور صرف قرآن کی دلیل دیں گے اور حدیث کو چھوڑ دیں گے۔ کیونکہ آپ کا مد مقابل حدیث کو نہیں مانتا۔ اب وہ یہ بات لکھ کر دینے کو تیار نہ تھے۔ میں نے کہا: ہمارے نبی کریم رؤوف و رحیم نے فرمایا تھا کہ مومن کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اسے اپنے لئے پسند ہو۔ جناب تو اپنی دو دلیلوں میں سے ایک بھی چھوڑنے کو تیار نہیں اور ہمیں کہتے ہو کہ اپنی چار دلیلوں سے دو چھوڑ دو۔ امید ہے کہ آپ اپنے مومن ہونے کا ثبوت اسی مجلس میں دیں گے کہ آپ اپنی صرف دو دلیلوں کی پابندی کریں گے اور ہم اپنی چاروں دلیلوں کی پابندی کریں گے۔

موضوع بحث :

اب وہ کہنے لگے کہ اس وقت "فاتحہ خلف الامام" پر بات ہوگی۔ حنفی امام

کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتے۔ اس لئے ان کی نماز بالکل باطل اور بیکار ہے۔ میں نے کہا فاتحہ خلف الامام تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مسئلہ کا نام قراءۃ خلف الامام ہے اور قراءۃ میں فاتحہ اور سورت دونوں آجاتی ہیں۔ امام تو پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت دونوں پڑھتا ہے اور پچھلی رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھتا ہے۔ اب مقتدی اس وقت بھی امام کے پیچھے کھڑا ہوتا ہے جب امام فاتحہ پڑھتا ہے اور اس وقت بھی پیچھے کھڑا ہوتا ہے جب امام سورت پڑھ رہا ہوتا ہے۔ اس لئے مقتدی کو پورا مسئلہ معلوم ہونا چاہئے کہ جب امام فاتحہ پڑھ رہا ہو تو مقتدی کیا کرے اور امام جب سورت پڑھ رہا ہو تو مقتدی کیا کرے۔ وہ لڑکے جو نئے نئے غیر مقلد بنے تھے کہنے لگے کہ قرآن و حدیث کا فیصلہ ہے کہ فاتحہ قراءۃ نہیں ہے۔ بعد والی سورت کو قرات کہتے ہیں۔ امام فاتحہ کے بعد جو سورت پڑھتا ہے وہ سب مقتدیوں کی طرف سے ادا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ قراءۃ ہے اور امام کی قراءۃ سب مقتدیوں کی طرف سے بھی ادا ہو جاتی ہے اور فاتحہ قراءۃ نہیں۔ اسی لئے امام کی فاتحہ مقتدیوں کی طرف سے ادا نہیں ہوتی۔ میں نے کہا اپنے مولوی صاحبان سے یہ دونوں باتیں لکھوا دیں کہ فاتحہ قراءۃ نہیں ہے اور یہ کہ امام کی قراءۃ سب کی طرف سے قراءۃ ہوتی ہے اور دونوں باتوں پر ایک ایک آیت یا ایک ایک حدیث لکھوا دیں۔ مولوی صاحبان نے بھی کہا کہ یہ بالکل صحیح ہے کہ فاتحہ قراءۃ نہیں ہے لیکن دوسری بات کا کہ امام کی قراءۃ سب کے لئے قراءۃ ہوتی ہے اس کا ذکر تک نہ کیا۔

فاتحہ قراءۃ ہے :

میں نے کہا اس سورت کا تو نام ہی فاتحہ اسی لئے ہے کہ قرآن پاک کی قراءۃ بھی اسی سورت سے شروع ہوتی ہے اور نماز کی ہر رکعت کی قراءۃ بھی اسی سے شروع ہوتی ہے۔ آپ کوئی آیت یا حدیث پیش کریں کہ فاتحہ قراءۃ میں شامل

نہیں ہے۔ اب سب نے شور مچا دیا کہ ہم یہاں قرآن حدیث سنانے نہیں آئے۔ سننے آئے ہیں تم حدیث سناؤ کہ فاتحہ قراءۃ ہے۔ پھر سب چیخ اٹھے کہ بخاری سے سنانا' بخاری سے....۔

(۱)　میں نے بخاری ص ۱۰۲ ج ۱ پر باب دکھایا باب مایقرا بعد التکبیر اور ص ۱۰۳ ج ۱ سے حدیث دکھائی کہ آپ ﷺ ثناء' تکبیر اور قراءۃ کے درمیان پڑھتے تھے اور پھر سب سے پوچھا کہ آپ لوگ ثناء کہاں پڑھتے ہیں سب نے بیک زبان کہا کہ تکبیر تحریمہ اور فاتحہ کے درمیان۔ تو میں نے کہا ثابت ہو گیا کہ فاتحہ قراءۃ ہے میں نے دکھایا کہ یہ حدیث مسند احمد ص ۲۳۱ ج ۲ دارمی ص ۱۴۷ بخاری ۱۰۳ ج ۱' مسلم ص ۲۱۹ ج ۱' ابن ماجہ ص ۵۸ ' ابو داؤد ص ۱۱۳ ج ۱ ' نسائی ص ۱۲۱ ج ۱' ابن الجارود ص ۱۱۸' ابو عوانہ ص ۹۸ ج ۲ ' دارقطنی ص ۱۲۸ ج ۱ شرح السنہ ص ۴۰ ج ۳ گیارہ کتابوں میں ہے۔ اس وقت وہ نوجوان آپس میں کھسر پھسر کر رہے تھے کہ ہمیں تو دو تین مہینے یہی بتایا گیا کہ حنفی حدیث کو جانتے ہی نہیں۔ یہاں تو مطالعہ حدیث پر ہمارے مولوی صاحبان بھی حیران بیٹھے ہیں۔

(۲)　پھر میں نے بخاری ص ۱۰۴ ج ۱ سے یہ باب دکھایا باب وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوات کلها الخ میں نے کہا یہ باب نماز کی قراءۃ کے بیان میں ہے اور اس میں امام بخاری فاتحہ والی حدیث بھی لائے ہیں۔ اگر فاتحہ قراءۃ نہیں تو اس باب میں لانے کا کیا مقصد؟ سب نے کہا یہ تو بخاری شریف سے دوپہر کے سورج کی طرح واضح ہو گیا کہ فاتحہ قراءۃ ہے میں نے کہا اب ان سے بھی مطالبہ ہے کہ یہ بھی بخاری شریف سے حدیث دکھائیں کہ فاتحہ قراءۃ نہیں ہے۔ وہ لڑکے بڑے مچلے' کہنے لگے ہمارے مولوی صاحبان تو رات دن حدیث پڑھنے پڑھانے میں رہتے ہیں آپ نے دو احادیث دکھائی ہیں وہ کم از کم چار دکھائیں گے۔ میں نے کہا کہ وہ نہ حدیث دکھا سکیں گے اور نہ ان احادیث

رسول ﷺ کو مانیں گے۔ آخر سب نے کہا کہ آپ بھی بخاری شریف اور ان کے خلاف احادیث نکال کر دکھائیں۔ مگر وہ بخاری شریف کو ہاتھ لگانے کو تیار نہ ہوئے اور نہ ہی ان پیش کردہ احادیث کو ماننے کے لئے تیار ہوئے۔

(۳) عن انس قال کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر یستفتحون القراءۃ بالحمدللّٰہ رب العالمین۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر اور عمر قراءۃ الحمد للّٰہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے (امام بن کر، کتاب الام ص ۹۳ ج ۱، طیاسی ص ۲۶۶، عبدالرزاق ص ۸۸ ج ۲، احمد ص ۱۰۱ جلد ۳، مسلم ص ۱۷۲ ج ۱، ابن ماجہ ص ۵۹، ابوداؤد ص ۱۱۴ ج ۱، ترمذی ص ۳۴ ج ۱، نسائی ص ۱۴۳ ج ۱

(۴) عن عائشہ قالت کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یستفتح الصلوہ و القراہ بالحمد للّٰہ رب العالمین۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تکبیر سے اور قراءۃ الحمد للّٰہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔ (طیالسی ص ۲۱۷، عبدالرزاق ص ۷۹ ج ۲، ابن ابی شیبہ ص ۴۰۱ ج ۱، احمد ۳۱ ج ۶، دارمی ص ۱۴۵، مسلم ۱۹۴ ج ۱، ابن ماجہ ص ۵۸، ابوداؤد ص ۱۱۴ ج ۱، ابوعوانہ ص ۹۴ ج ۲ طحاوی ص ۹۹ ج ۱۔

(۵) عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یفتتح القراءۃ بالحمد للّٰہ رب العلمین (ابن ماجہ ص ۵۹) حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قراءۃ الحمد للّٰہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔

(۶) عن ابی ھریرۃ یقول کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

اذا نهض من الركعة الثانية استفتح القراءة بالحمد لله رب العلمين ولم يسكت (مسلم ص۲۱۹ ج۱ حاکم ص۲۱۵ ج۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رکعت سے اٹھتے تو قراءۃ الحمد للّٰہ رب العالمین سے شروع فرماتے اور کوئی سکتہ نہ کرتے۔

میں نے جب یہ چھ احادیث سنائیں تو سب سامعین بہت خوش ہو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اس میں کیا شک رہ گیا اب تو صاف ہو گیا کہ فاتحہ قراءۃ ہے۔ میں نے کہا اور یہ بھی سب مسلمان جانتے ہیں کہ فاتحہ سے قراءۃ کا شروع کرنا امت میں عملاً متواتر ہے۔ لیکن لشکر طیبہ کے احباب ان احادیث کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ لوگ بار بار پوچھتے تھے کہ اگر حدیث کو نہیں ماننا تو نام اہل حدیث کیوں رکھا ہے؟ میں نے کہا حدیث رسول تو یہ ہے کہ فاتحہ قراءۃ ہے مگر ان کی حدیث نفس یہ ہے کہ فاتحہ قراءۃ نہیں ہے۔ اس لئے یہ بے چارے اپنی حدیث نفس کو ماننے والے اہل حدیث ہیں نہ کہ حدیث رسول ﷺ کو ماننے والے۔ میں نے کہا یہ نہ یہاں زبان سے اقرار کریں گے کہ فاتحہ قراءۃ ہے نہ لکھ کر دیں گے کہ فاتحہ قراءۃ ہے۔ لیکن عمل ان کا بھی اسی پر ہے یہ ہر نماز کی ہر رکعت کی قراءۃ فاتحہ سے ہی شروع کرتے ہیں۔ وہ نوگرفتار نوجوان بار بار کہہ رہے تھے کہ آپ تو ہمیں یہی بتاتے رہے کہ حنفی حدیث کو نہیں مانتے فقہ کو مانتے ہیں اور ہم فقہ کو نہیں مانتے حدیث کو مانتے ہیں۔ لیکن یہ تو بات آج کھلی کہ حنفی حدیث کو بھی مانتے ہیں اور فقہ کو بھی اور آپ نہ فقہ کو مانتے ہیں نہ حدیث کو۔

امام کی قراءۃ :

میں نے کہا اب دوسری بات کو لیں کہ امام کی قراءۃ مقتدی کے لئے بھی قراءۃ ہے یا نہیں۔ تو میں بات کو ذہن نشین کرانے کے لئے آپ حضرات سے چند

باتیں پوچھتا ہوں۔ (۱) پانچ نمازوں سے پہلے اذان بالاتفاق سنت ہے۔ سب نے کہا ہاں۔ میں نے کہا آپ سب مرد عورت الگ الگ اپنی اپنی اذان کہہ کر اس سنت کو پورا کرتے ہیں یا ایک موذن کی اذان پورے محلے کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ سب کہنے لگے کہ ہم ایک موذن کی اذان سب کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ میں نے کہا۔ ایک موذن نے اذان کہی آپ میں سے کسی نے خود اذان نہیں کہی تو کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے بغیر اذان کے خلاف سنت نماز پڑھی ہے۔ کہنے لگے ہرگز نہیں ہماری نماز بالکل سنت کے موافق ہوئی کیونکہ موذن کی اذان سب کے لئے کافی تھی۔ اگر کوئی کہے کہ ہماری نماز بغیر اذان کے ہوئی تو ہم اس کو جھوٹا کہتے ہیں۔ میں نے مولوی صاحبان سے پوچھا کہ کیا آپ کو بھی اس مسئلہ سے اتفاق ہے۔ کہنے لگے بالکل اتفاق ہے۔ میں نے کہا پھر آپ کوئی ایک آیت یا کوئی ایک حدیث سنائیں جس کا ترجمہ ہو کہ موذن کی اذان پورے محلے کے لئے کافی ہے۔ سب لوگ ہمہ تن گوش بن کر بیٹھ گئے کہ اہل حدیث حضرات احادیث پر احادیث سناتے چلے جائیں گے مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ لوگ اگرچہ سراپا انتظار تھے آخر اکتا کر کہنے لگے کہ آپ ہی بات جاری رکھیں ان تلوں میں تیل کہاں۔

پھر میں نے کہا کہ سب کا اتفاق ہے کہ ایک شخص کی اقامت پوری جماعت کے لئے کافی ہے۔ خواہ کسی نے سنی ہو یا سنی ہی نہ ہو۔ بعد میں آکر جماعت میں شریک ہوا ہو۔ سب نے لشکر والوں سے بھی پوچھا کہ آپ کو بھی اس مسئلہ سے اتفاق ہے؟ کہنے لگے بالکل۔ تو انہوں نے کہا پھر ایک آیت یا ایک حدیث لکھ دیں جس کا ترجمہ یہی ہو کہ ایک شخص کی کہی ہوئی اقامت ساری جماعت کے لئے کافی ہے۔ خواہ کسی نے اقامت سنی ہو یا نہ سنی ہو۔ لیکن وہ بڑے پریشان تھے کہ یہاں تو ہر بات پر حدیث کا مطالبہ ہوتا ہے۔ ہم کہاں سے اپنے اعمال کے ثبوت کی حدیثیں لائیں۔ پھر میں نے کہا کہ ایک امام کا سترہ سب مقتدیوں کے لئے کافی ہے' خواہ

انہیں نظر بھی نہ آئے۔ کہنے لگے بجا ہے۔ میں نے کہا کہ اس پر کوئی آیت یا حدیث پیش فرمائیں۔ آخر بہت ہی گھبرا گئے اور "لشکری" کہنے لگے کہ اگر آپ نے یہی انداز رکھا کہ ہم سے قرآن و حدیث پیش کرنے کا مطالبہ کرتے رہے تو ہم بھی اٹھ کر چلے جائیں گے اور آئندہ کبھی یہاں نہیں آئیں گے ہمیں بار بار ذلیل کیا جا رہا ہے۔

پھر میں نے کہا کہ ساری امت کا اتفاق ہے کہ جمعہ کا خطبہ جو خطیب پڑھتا ہے وہ سب کی طرف سے ہو جاتا ہے۔ خواہ خطیب کا خطبہ کسی نمازی کو سنائی دے یا نہ دے۔ خواہ خطیب کسی نمازی کو دکھائی دے یا نہ دے اس کی طرف سے بھی خطبہ ادا ہو گیا۔ خواہ کوئی خطبہ کے بعد آکر جماعت میں ہی آکر شریک ہو۔ اس کی طرف سے بھی خطبہ ہو گیا اور اسے کوئی نہیں کہے گا کہ اس شخص نے بغیر خطبہ کے جمعہ پڑھا ہے۔ میں یہ عرض کر ہی رہا تھا کہ لشکری مع اپنے مولوی صاحبان کے کھڑے ہو گئے۔ لوگ بٹھا رہے ہیں وہ کہتے ہیں ہم بیٹھ کر کیا کریں یہ اس مسئلہ پر بھی ہمیں پوچھے گا کہ کوئی آیت یا حدیث سناؤ جتنے آج ہم یہاں آکر ذلیل ہوئے ہیں۔ زندگی بھر کبھی ایسی ذلت نہ دیکھی تھی۔ میں نے کہا کہ امام نماز میں فاتحہ کے بعد جو ایک سورت پڑھتا ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ امام کی ایک پڑھی ہوئی سورت سب کی طرف سے ہو جاتی ہے۔ اب تو بے چارے لشکری آپے سے باہر تھے۔ میں نے کہا آپ غصہ تھوک دیں اور ایک ہی حدیث سنائیں کہ امام کی یہ قراءۃ سب مقتدیوں کی طرف سے ہو جاتی ہے۔ اب ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے اور بار بار یہی کہتے تھے کہ ہم یہاں احادیث سنانے نہیں آئے۔ سننے کے لئے آئے تھے۔ میں نے کہا آپ کو احادیث آتی ہی نہیں سنائیں گے کیا۔ اچھا آیئے ہم سے ہی نبی پاک ﷺ کی احادیث سنیں۔

○ محمد قال اخبرنا ابو حنیفہ قال حدثنا ابو الحسن موسی

بن ابي عائشه عن عبدالله بن شداد بن الهاد عن جابر بن عبدالله الانصاری رضی الله عنه قال صلی رسول الله علی الله علیه وسلم و رجل خلفه یقرا فجعل رجل من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم ینهاه عن القراه فی الصلوه فقال اتنهانی عن القراءة خلف النبی صلی الله صلیه وسلم فتنازعا حتی ذکر ذالك للنبی صلی الله علیه وسلم فقال النبی صلی الله علیه وسلم من صلی خلف الامام فان قراءة الامام له قراء قال محمد و به ناخذ وهو قول ابی حنیفه رحمه الله علیه (کتاب الاثار ص۱۷۷)

امام محمد فرماتے ہیں کہ حدیث بیان کی ہمیں ابو حنیفہ نے' ان سے حدیث بیان کی موسیٰ بن ابی عائشہ نے عبداللہ بن شداد سے' انہوں نے جابر بن عبداللہ الانصاری سے کہ نماز پڑھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ایک آدمی آپ ﷺ کے پیچھے قراءۃ کر رہا تھا۔ تو صحابہ کرام میں سے ایک صحابی نے اس مقتدی کو قراءۃ سے روکنا شروع کیا اس نے کہا کہ تو مجھے آپ ﷺ کے پیچھے قراءۃ سے روکتا ہے۔ پس وہ دونوں جھگڑ پڑے یہاں تک کہ ذکر ہوا اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے اس کو (الگ قراءۃ نہیں کرنی چاہئے بلکہ) امام کی قراءۃ ہی اس کو کافی اور بس ہے۔ امام محمد نے کہا ہم اس حدیث پر عمل کرتے ہیں اور یہی قول امام ابو حنیفہ کا ہے۔

O قال محمد اخبرنا اسرائیل حدثنی موسی بن ابی عائشه عن عبدالله بن شداد بن الهاد قال ام رسول الله صلی الله علیه وسلم فی العصر قال فقراء رجل خلفه فغمزه الذی یلیه فلما ان

صلی قال لم غمزتنی قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قدامك فکرهت ان تقرأ خلفه فسمعهٔ النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال من کان له امام فان قراء ته له قراء ة (موطا محمد ص ۱۰۱)

امام محمد ' اسرائیل ' موسی بن ابی عائشہ ' عبداللہ بن شداد بن الهاد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر میں امامت کرائی تو ایک شخص آپ ﷺ کے پیچھے قراءۃ کرنے لگا ساتھ والے نے اس کو ہاتھ سے دبایا جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس نے کہا کہ تو مجھے کیوں دبا رہا تھا؟ اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے آگے امام تھے اور مکروہ سمجھا میں نے امام کے پیچھے قراءۃ کو' یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لی تو فرمایا جو امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو امام کی قراءۃ اس (مقتدی) کے لئے بھی قراءۃ ہے۔

اب یہاں بات سمجھیں : (۱) رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھا رہے ہیں جس میں امام آہستہ آواز سے قراءۃ کرتا ہے۔

(۲) حضرت جابر ؓ اور حضرت عبداللہ بن شداد ؓ ایک کو صرف رجل کہتے ہیں یعنی نکرہ استعمال کرتے ہیں دوسرے کو صحابی کہتے ہیں' معلوم ہوا کہ پڑھنے والا آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لازم صحبت نہ تھا۔ عصر کی نماز میں بھی آپ ﷺ کے صحابہ کرام میں سے کسی ایک نے بھی قراءۃ نہ کی۔ پوری مسجد نبوی میں صرف ایک جو لازم صحبت نہ تھا اس نے قراءۃ کی۔

(۳) نماز کی حالت میں دوسرے نمازی کو دبانا اور چٹکیاں بھرنا یقیناً مکروہ ہے۔ مگر صحابہ کرام سری نمازوں میں بھی امام کے پیچھے قراءۃ کرنے کو اس سے بڑا مکروہ سمجھتے تھے۔ اس لئے دوران نماز ہی روکنا شروع کر دیا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عصر کی نماز میں بھی مقتدی کی قراءۃ کو صراحتاً مکروہ کہا۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کراہت کی نفی نہیں فرمائی۔ بلکہ صحابی کی تائید فرمائی کہ امام کی قراءۃ سب مقتدیوں کے لئے کافی ہے۔

ضروری نوٹ : اس بات پر اتفاق ہے کہ بعض احادیث صحیح ہیں۔ بعض ضعیف وغیرہ مگر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی حدیث کو صحیح کہا ہے نہ ضعیف۔ اس لئے غیر مقلدین کو نہ تو کسی حدیث کو صحیح کہنے کا حق ہے نہ ضعیف کہنے کا۔ ہاں ہم صاف صاف کہتے ہیں کہ ان احادیث کو اللہ و رسول ﷺ نے نہ تو صحیح فرمایا نہ ضعیف۔ اس لئے جو بات اللہ و رسول ﷺ سے نہ ملے اس میں مجتہد کو اجتہاد کا حق ہے اور غیر مجتہد کو تقلید کا۔ ہمارے ائمہ کرام نے ان احادیث پر بالاتفاق عمل کیا۔ اس لئے ہمارے ہاں یہ احادیث صحیح اور واجب العمل ہیں اور آپ احادیث پڑھ چکے ہیں کہ جب لفظ قراءۃ آئے گا تو اس کا اولین اور کامل مصداق سورت فاتحہ ہی ہے اور امیر یمانی غیر مقلد سبل السلام شرح بلوغ المرام میں لکھتا ہے قراءۃ الامام اسم جنس مضاف یعم کل مایقرءہ الامام (ص ۲۶۲ ج ۱) کہ حدیث میں قراءۃ الامام میں قراءۃ اسم جنس ہے اور مضاف ہے اس عموم میں وہ پوری قراءۃ شامل ہے جو امام نے کی۔ امام کی فاتحہ بھی سب کے لئے کافی اور سورت بھی سب کے لئے کافی ہے۔ میں نے اس بات کو بھی واضح کیا کہ اس حدیث کو حضرت امام اعظم نے روایت کیا ہے جو لوگ عوام کو یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ امام صاحب کو احادیث نہیں ملی تھیں اس لئے وہ قیاس سے مسئلے بنایا کرتے تھے انہیں اس جھوٹ سے توبہ کرنی چاہئے اور اعلان کرنا چاہئے کہ امام اعظم نے یہ مسئلہ حدیث رسول ﷺ سے بتایا ہے نہ کہ اپنے قیاس سے۔

O حضرت جابر ؓ سے بھی روایت ہے۔ قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ (مسند احمد بن منیع مسند

احمد بن حنبل ص۳۳۹ ج ۳ ابن ابی شیبہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس آدمی نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قراءۃ مقتدی کو بس ہے۔

O عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من کان لہ امام فقراہ الامام لہ قراہ (کتاب القراءۃ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قراءۃ ہی مقتدی کی قراءۃ ہے۔

O عن ابن عمر عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من کان لہ امام فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کا امام ہو تو امام کی قراءۃ ہی اس کی قراءۃ ہے (کتاب القراءۃ)

O عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا امام ہو تو امام کی قراءۃ ہی اس کی قراءۃ ہے۔ (کتاب القراءۃ)

O عن النواس بن سمعان قال صلیت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلوۃ الظہر و کان عن یمینی رجل من الانصار فقراء خلف النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم و علی یساری رجل من مزینہ یلعب بالحصا فلما قضی صلوتہ قال من قراء خلفی؟ قال الانصاری: انا یا رسول اللّٰہ! قال فلا تفعل' من کان لہ امام فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ و قال للذی یلعب بالحصا ھذا حظك من صلوتك (کتاب القراۃ) حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ میری داہنی

طرف ایک انصاری شخص تھے۔ انہوں نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے پیچھے قراءۃ کی اور میری بائیں جانب قبیلہ مزینہ کے ایک صاحب تھے جو کنکریوں سے کھیل رہے تھے جب حضور ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ میرے پیچھے کس نے قراءۃ کی ہے۔ انصاری نے کہا میں نے یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا مت کرو کیونکہ جو امام کی اقتدا کرے تو امام کی قراءۃ ہی مقتدی کی قراءۃ ہوتی ہے۔ جو صاحب کنکریوں سے کھیل رہے تھے ان سے فرمایا تمہیں نماز سے یہی حصہ ملا۔

حضرت نواس رحمہ اللہ نے دو آدمیوں کا ذکر فرمایا اور جس حیرت سے نماز میں کنکریوں سے کھیلنے کا ذکر فرمایا کہ یقیناً نماز میں یہ ایک بے جا حرکت تھی اسی انداز میں ظہر یعنی سری نماز میں مقتدی کی قراءۃ کے بارے میں فرمایا۔ جب سری میں قراءۃ معیوب ہے تو جہری میں تو اور زیادہ معیوب ہوگی۔

O عن یحیی بن عبداللّٰہ بن سالم العمری ویزید بن ابی عیاض ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من کان منکم لہ امام فائتم بہ فلا یقرء معہ فان قراتہ لہ قراہ (کتاب القراہ)

یحیٰی اور یزید سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جس کا امام ہو وہ اس کی اقتداء کرے تو مقتدی اس کے ساتھ ہرگز قراءۃ نہ کرے کیونکہ امام کی قراءۃ ہی اس کی قراءۃ ہے۔

ان تمام احادیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ امام کی قراءۃ ہی مقتدی کی طرف سے کافی ہے مقتدی خود قراءۃ نہ کرے اگر یہ بات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ارشاد فرمائی اور اتنے حضرات نے اس کو روایت فرمایا تو کثرت اسانید کی وجہ سے یہ حدیث کتنی مضبوط ہوگئی اور اگر حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد بار بار فرمایا اور ہر دفعہ کے فرمان کو ایک ایک نے روایت کردیا

تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے نزدیک یہ مسئلہ کتنا اہم تھا کہ آپ ﷺ نے بار بار اس کی تاکید فرمائی۔ اب سب سامعین تو احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ادب سے سن رہے تھے اور ہمہ تن گوش تھے اور ہر حدیث پر بڑے ادب اور عقیدت سے سمعنا و اطعنا کہہ رہے تھے کہ ہم نے فرامین رسول ﷺ کو سنا اور مان لیا لیکن اس کے برعکس لشکریوں کی زبان پر ایک ہی بات آ رہی تھی سمعنا و عصینا ہم نے یہ احادیث سن تو لیں لیکن ہم مانتے نہیں۔ یہ سب حدیثیں جھوٹی ہیں۔ ان سب کی سندوں میں ایک راوی جابر جعفی ہے اور وہ کذاب تھا میں نے کہا کہ جو حوالہ جات میں نے پیش کئے ان میں سے کسی ایک سند میں بھی جابر جعفی نہیں ہیں۔ پہلی سند ـ امام محمد، امام ابو حنیفہ، ابوالحسن موسیٰ بن ابی عائشہ، عبداللہ بن شداد بن الھاد، جابر بن عبداللہ صحابی رضی اللہ عنہ ہے۔ دکھاؤ اس میں جابر جعفی کہاں ہیں۔ لشکری خاموش تھے سب کہہ رہے تھے کہ وقت ضائع نہ کرو یا سند میں جابر جعفی دکھاؤ یا حدیث پاک کو صحیح مانو۔

دوسری سند امام محمد، اسرائیل، موسیٰ بن ابی عائشہ اور عبداللہ بن شداد ہے اس میں جابر جعفی کہاں ہے؟ مکمل خاموشی۔

تیسری سند امام احمد بن منیع، اسحاق ارزق، سفیان ثوری اور شریک موسیٰ بن ابی عائشہ، عبداللہ بن شداد ابن الھاد، جابر بن عبداللہ، اس میں جابر جعفی کہاں ہے؟

چوتھی سند امام احمد، اسود بن عامر، حسن بن صالح، ابوالزبیر، جابر بن عبداللہ صحابی

پانچویں سند امام ابوبکر بن ابی شیبہ، مالک بن اسماعیل، حسن بن صالح، ابوالزبیر، جابر بن عبداللہ صحابی

اب سب لوگ سندوں کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے کسی دوربین یا

خوردبین سے ان میں جابر جعفی نظر نہیں آ رہا تھا لیکن پھر بھی وہ ان احادیث مقدسہ کو مان نہیں رہے تھے۔ آخر ہم نے کہا آپ کے ہاں جابر جعفی بہت بڑا جھوٹا راوی ہے۔ آپ اس کی سند سے بھی کوئی حدیث نہیں دکھا سکتے کہ امام کی قراءۃ مقتدی کے لئے قراءۃ نہیں ہوتی۔ ایک اور صرف ایک حدیث اس مضمون کی پیش کریں۔ مگر وہاں موت کی سی خاموشی طاری تھی۔ لوگ حیران تھے کہ اہل حدیث کہلانے والے نہ ان احادیث کو مانتے ہیں نہ ان کے خلاف کوئی حدیث پیش کرتے ہیں۔ میں نے کہا یہ بات تو آپ بھی مانتے ہیں کہ تراویح میں جب آپ کا امام قرآن ختم کرتا ہے تو تم سب دعا کرتے ہو کہ یا اللہ ہم سب کا قرآن قبول فرما۔ حالانکہ آپ کے مقتدیوں نے تو صرف سورت فاتحہ پڑھی ہے۔ باقی ۱۱۳ سورتیں تو انہوں نے نہیں پڑھیں تو دو لشکری بولے کہ ۱۱۳ سورتیں امام کی پڑھی ہوئی سب کی طرف سے ہو جاتی ہیں مگر سورت فاتحہ امام کی پڑھی ہوئی مقتدیوں کی طرف سے نہیں ہوتی۔ میں نے کہا یہی دونوں باتیں آپ حدیث پاک سے دکھا دیں کہ امام کی پڑھی ہوئی ۱۱۳ سورتیں سب مقتدیوں کی طرف سے ہو جاتی ہیں اور امام کی پڑھی ہوئی فاتحہ مقتدیوں کی طرف سے ادا نہیں ہوتی۔ وہ لشکری اپنے مولویوں سے کہنے لگا کہ یہ دونوں باتیں حدیث میں دکھاؤ۔ اب وہ خود تو احادیث نہ دکھائے مگر یہی شور مچائے کہ جو حدیثیں اس نے پڑھی ہیں اس کی سب سندوں میں جابر جعفی ہے وہ کذاب ہے ہم جھوٹی احادیث نہیں مانا کرتے۔ میں نے کہا مولانا ان سندوں میں تو آپ جابر جعفی نہیں دکھا سکے۔ آپ بچی بات لوگوں سے کیوں چھپاتے ہیں کہ دراصل آپ صحیح احادیث بالکل نہیں مانتے جھوٹی احادیث کو ہی مانتے ہیں۔ دیکھئے حکیم محمد صادق سیالکوٹی کی کتاب "صلوۃ الرسول" جو آپ کے ہر گھر میں ہوتی ہے آپ کے کتنے ہی بڑے بڑے علماء نے اس پر تصدیقات لکھی ہیں۔ آپ کے اخبارات و رسائل مین اس کو بہترین کتاب قرار دیا

ہے۔ اس میں لکھا ہے "عید گاہ کو جاتے اور واپس آتے ہوئے اونچی آواز سے یہ تکبیر پڑھتے رہیں اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد (دار قطنی) جب کہ دارقطنی پر اس کی سند میں عمر بن شمر اور اس کا استاد جابر جعفی ہے۔ لوگ سند کو بار بار دیکھ رہے تھے کہ یہ جس راوی کو جھوٹا کہتے ہیں اس کی حدیث تو بالکل خاموشی سے مان لیتے ہیں اور احادیث صحیح سند سے ہوں ان کو یہ بالکل نہیں مانتے۔ لوگ کہنے لگے کہ ہم سنا کرتے تھے کہ بعض لوگ منکر حدیث ہوتے ہیں آج سر پر لگی ہوئی آنکھوں سے ان منکرین حدیث کا مشاہدہ کر لیا۔ میں نے کہا کہ اب تک دو باتیں ثابت ہوئیں (۱) فاتحہ قراءۃ ہے۔ (۲) امام کی قراءۃ سب مقتدیوں کے لئے قراءۃ ہے۔

نتیجہ صاف ہے کہ امام کی پڑھی ہوئی فاتحہ سب کی طرف سے ادا ہو گئی اس کے برعکس لشکری کہتے ہیں کہ (۱) فاتحہ قراءۃ نہیں ہے لیکن اس پر کوئی حدیث پیش نہ کر سکے۔ (۲) امام کی قراءۃ مقتدی کی طرف سے کافی نہیں اس پر بھی کوئی حدیث پیش نہ کر سکے۔

سب یک زبان بولے کہ یہ لوگ منکر حدیث ہیں۔ اس میں کوئی شک یا شبہ باقی نہیں رہا اور یہ جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں یہ بھی غلط ہے اور جو یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ ہم حدیث رسول ﷺ کو مانتے ہیں اور یہ حنفی احادیث کو چھوڑ کر اس کے خلاف فقہ کو مانتے ہیں حالانکہ ہم ان احادیث کو مانتے ہیں جس پر محدثین اور فقہاء کا اتفاق ہو اور یہی راستہ دین پر استقامت کا ہے ہاں اگر محدثین اور فقہاء میں اختلاف ہو جائے تو فقہاء کی بات کو راجح مانتے ہیں۔ کیونکہ محدثین نے خود اپنی حیثیت یہ بیان فرمائی ہے کہ محدثین پنساری ہیں اور فقہاء طبیب ہیں۔ اور ساری دنیا کا اتفاق ہے کہ پنساری اور طبیب میں اگر اختلاف ہو جائے تو طبیب ہی کی بات کو مانا جاتا ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک

فرمان جو درجہ شہرت تک پہنچا ہوا ہے یہ ہے رب حامل فقه لیس بفقیه میں بہت سے ایسے لوگ جو ایسی احادیث کو اٹھائے پھرتے ہیں جس میں فقہی مسائل ہیں مگر وہ خود فقیہ نہیں ہوتے جیسے ہر حافظ قرآن' مفسر قرآن نہیں ہوتا۔ وہ آیت کو تو یاد کرتا ہے مگر اس آیت کا شان نزول کیا ہے اس آیت سے عبارت النص سے کیا ثابت ہو رہا ہے۔ دلالۃ النص سے کیا ثابت ہو رہا ہے۔ اشارۃ النص سے کیا ثابت ہو رہا ہے اور اقتضاء النص سے کیا ثابت ہو رہا ہے یہ باتیں محض حافظ قران کے بس کی نہیں ہوتیں۔ وہ لشکری کہنے لگے ہم تو محدثین کی مانتے ہیں فقہاء کی نہیں مانتے۔ کیونکہ فقہ حدیث کے خلاف ہے۔ میں نے کہا یہ بات نہ خدا تعالی نے فرمائی نہ رسول خدا نے نہ محدثین نے خود امام بخاری فرماتے ہیں الفقه ثمرۃ الحدیث فقہ حدیث کا پھل ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں الفقهاء اعلم بمعانی الحدیث فقہاء حدیث کے مطالب ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے احادیث کے ساتھ ساتھ فقہاء کے مذاہب بھی نقل کئے ہیں۔ سب سامعین کہنے لگے کہ یہاں بھی یہ لوگ صاف حدیث نبوی ﷺ کی مخالفت کر رہے ہیں اللہ کے نبی فقیہ کو افضل قرار دیتے ہیں یہ محدث کو خود محدثین مجتہدین کے مقلد ہیں لیکن ان لوگوں کی عجیب ضد ہے یہ ہر سیدھی بات کو چھوڑتے اور ہر الٹی بات کو مانتے ہیں اب مولوی لشکری نے دیکھا کہ سب لوگ ہمیں "منکرین حدیث" کہہ رہے ہیں تو کہنے لگا آج ہماری تیاری پوری نہیں تھی ہم ایک ہفتہ کے بعد پوری تیاری کر کے آئیں گے اور ہم ثابت کریں گے کہ "سنی حنفی" بھی احادیث کو نہیں مانتے۔

تحقیق حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔ امابعد!

حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ:

حدثنا عبداللّٰہ بن محمد النفیلی نا محمد بن سلمۃ عن محمد بن اسحاق عن مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃ بن صامتؓ قال کنا خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی صلٰوۃ الفجر فقراء رسول اللّٰہ صلی اللّٰہُ عَلیہ وسلم فثقلت علیہ القراۃ فلما فرغ قال لعلکم تقرءون خلف امامکم قلنا نعم ھٰذا یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لا صلوۃ لمن لم یقرءْ بھا۔

(ترجمہ) عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ صبح کے وقت ہم حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے اور آپؐ قراءت فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ پر قراءت ثقیل ہو گئی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا شاید تم امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو، کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی (ابوداؤد ج۱، ص۱۲۶، طبع مکتبہ امدادیہ ملتان)

خبرواحد کے متعلق احناف کا اصول :

احناف کے ہاں خبرواحد کو قبول کرنے کے لئے آٹھ شرائط ہیں۔ چار راوی میں اور چار روایت میں۔ راوی میں یہ چار شرطیں ہیں: عقل' ضبط' عدالت' اسلام۔ اور روایت میں یہ ہیں کہ وہ حدیث کتاب اللہ کے خلاف نہ ہو۔ سنت مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔ حادثہ مشہورہ سے متعلق نہ ہو۔ اور صدر اول کے فقہاء کے ہاں متروک نہ ہو۔

خلاف قرآن :

یہ حدیث قرآن پاک کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف توجہ کرو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے" (الاعراف ۲۰۴) امام ابوبکر بن ابی شیبہ' امام عبدالرزاق' امام بخاری جزءالقراۃ' امام نسائی باب تاویل قولہ تعالیٰ واذاقری القران فاستمعوالہ و انصتوا لعلکم ترحمون۔ امام بیہقی کتاب القراۃ میں مرفوع' موقوف و مقطوع سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ آیت قراۃ خلف الامام کے لئے نازل ہوئی۔ اور امام ابن قدامہ حنبلی' ابن تیمیہ حنبلی اور امیریمانی غیرمقلد امام احمد سے نقل کرتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارہ میں ہے۔ (المغنی ص۶۰۵' ج۱۔ فتاویٰ ابن تیمیہ ص۱۴۳' ج۲۔ العدہ ص۳۹۱' ج۲) ہاں اس اجماع کے بعد اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت کریمہ کے حکم میں جہری اور سری سب نمازیں شامل ہیں۔ جیسا کہ احناف کا قول ہے' یا صرف جہری جیسا کہ بعض حنابلہ وغیرہ کا قول ہے۔ معلوم ہوا کہ جس طرح اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارہ میں ہے۔ اس پر بھی اجماع ہے کہ جہری نمازیں یقیناً اس حکم انصات میں شامل ہیں۔ اب قرآن پاک کی یہ آیت جو ثبوت کے اعتبار سے قطعی ہے۔ اور دلالت کے اعتبار سے اجماعاً جہری نمازوں میں مقتدی پر انصات لازم کر

رہی ہے اور زیر بحث حدیث جو ثبوتاً خبر واحد ہے اور دلالت میں بعض کے نزدیک انصات کے خلاف قراءت کو مقتدی پر لازم کر رہی ہے تو یہ خبر واحد قرآن کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہرگز حجت نہیں۔ کیا موصوف احناف کے اس اصول سے بے خبر ہیں' یا اس کو مہذب الفاظ میں مطلب پرستی کہا جائے کہ سند کے بارے میں تو احناف کی تقلید کا پٹہ گردن میں ڈال لیا جائے لیکن قبول متن کے اصول پر طوطا چشمی کا مظاہرہ کیا جائے۔

خلاف سنت معروفہ :

اس حدیث میں ہے کہ جہری نمازوں میں جو امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اور امام احمد رحمہ اللہ سے گزر چکا کہ رسول اقدس ﷺ سے لے کر امام احمد تک کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں۔ اور خود اثری صاحب کو اعتراف ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے لے کر محدث گوندلوی تک کوئی محقق اور ذمہ دار شخص اس بات کا قائل نہیں بلکہ یہ بات کہنے والا غیر ذمہ دار ہے۔ اور ایسی خبر واحد احناف کے اصول پر حجت نہیں۔ یہ اصول بھی موصوف کو یقیناً یاد تھا۔ مگر مطلب پرستی انسان کو ادھر ادھر کچھ دیکھنے نہیں دیتی۔

حادثہ مشہورہ :

احناف کا اصول ہے کہ جو مسئلہ روزانہ ہر شخص کو پیش آتا ہے اس کی روایت یا عمل خیرالقرون میں مشہور ہونا چاہئے۔ ورنہ اصحاب خیرالقرون پر الزام آئے گا کہ انہوں نے ضروری مسئلہ کی اشاعت میں یا (اس پر) عمل میں کوتاہی کی ہے۔ اور یہ بات کوئی رافضی ہی سوچ سکتا ہے۔ اب ہر شخص جانتا ہے کہ قراءت خلف الامام کا مسئلہ ہر مقتدی کو روزانہ کتنی دفعہ پیش آیا ہے۔ مگر روایت کے اعتبار سے اس حدیث کا یہ حال ہے کہ خیرالقرون کی کتب حدیث موطا امام مالک' موطا امام محمد' کتاب الاثار ابی یوسف' کتاب الاثار امام محمد میں اس حدیث

کا نام و نشان تک نہیں۔ گویا خیرالقرون کے دونوں علمی مرکز حجاز و عراق نہ صرف اس حدیث سے ناآشنا ہیں بلکہ دونوں مراکز کا مذہب بھی اس کے خلاف ہے۔ اور عمل کا یہ حال ہے کہ نافع بن محمود جو طبقہ ثالثہ کا راوی ہے وہ اس مسئلہ سے ہی بالکل بے خبر ہے کہ امام کے پیچھے بھی فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ بلکہ وہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے یوں سوال کرتا ہے کیا یہ بھی کوئی غیر معروف طریقہ ہے یا آپ نے بھول کر امام کے پیچھے فاتحہ پڑھی ہے (کتاب القراءۃ) اور یہ بھی خوب ذہن نشین رہے کہ دور صحابہ و تابعین میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا غیر معروف اور قابل اعتراض تھا۔ اسی لئے نافع بن محمود نے عبادہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا۔ مگر عبادہ رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی نافع امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتا۔ نہ اس پر کوئی اعتراض کیا اور نہ یہ کہا کہ تو اٹھ کر نماز دوبارہ پڑھ لے' تیری نماز نہیں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ روایت اور عمل کے اعتبار سے اس روایت کی کوئی شہرت نہ تھی۔ حالانکہ ہر نمازی کو اس کی ضرورت تھی۔ اور ایسی خبرواحد جس کے ماننے سے صحابہ تابعین کا بے علم یا بے عمل یا بے نماز ہونا ظاہر ہو احناف کے ہاں حجت نہیں۔

اعراض ائمہ :

احناف کا یہ بھی اصول ہے کہ اگر کسی حدیث سے خیرالقرون کے تمام فقہاء نے منہ موڑ لیا ہے اور اس کے مطابق فتویٰ نہیں دیا تو وہ حدیث بالاتفاق متروک ہے۔ ہرگز قابل حجت نہیں' اور جیسا کہ پہلے گزر چکا کہ خیرالقرون کے کسی بھی فقیہ اور مجتہد نے اس کے موافق فتویٰ نہیں دیا کہ جو شخص جہری نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ بلکہ سب کا فتویٰ اس کے خلاف ہے کہ اس کی نماز باطل نہیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ جو لوگ آجکل اس حدیث عبادہ کے ظاہری معنی لیتے ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ رکوع میں شامل ہونے

والے مقتدی کی وجہ رکعت شمار نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے فاتحہ نہیں پڑھی۔ جبکہ ائمہ اربعہ اس کے قائل ہیں کہ وہ رکعت شمار ہوگی۔

معنوی حیثیت :

میں نے عرض کیا تھا کہ تحقیق کے تین مدارج ہیں : (۱) ثبوت۔ یہ مرحلہ مکمل ہوا کہ زیر بحث حدیث نہ سنداً مقبول ہے اور نہ متنا۔ اب دوسری بات کی تحقیق کی ضرورت ہی نہیں، لیکن مخالف کو گھر تک پہنچانے کے لئے۔ اس پر مختصراً عرض .... یہاں یہ قاعدہ اور اصول خوب یاد رہے کہ کتاب و سنت میں فہم فقیہ حجت ہے، کسی سفیہ کے فہم کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ مکمل حدیث وجوب و فرضیت فاتحہ خلف الامام پر ہرگز دلالت نہیں کرتی۔ (۱) تو نافع اور عبادہ کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ عبادہ صرف اباحت فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ اگر ان کے ہاں یہ مستحب اور مسنون ہوتی تو وہ نافع کو ضرور ترغیب دیتے۔ کیونکہ صحابہ کرام سنت کے ترک کو کب برداشت کرتے تھے۔ پھر جب کہ سنت کا تارک سنت پر معترض بھی ہو اور اگر واجب یا فرض جانتے تو ضرور نافع کو تاکید فرماتے۔ خصوصاً اس وقت تو یہ نہایت اہم ہو جاتا ہے کہ ایک شخص خود تو فرض کا تارک ہو اور ادا کرنے والے پر بھی اعتراض کر رہا ہو۔

جملہ استثنائیہ :

یہ مفصل حدیث جملہ استثنائیہ پر ختم ہو رہی ہے۔ فلا تقرء وابشی ء من القران اذا جھرت الا بام القران (ابوداؤد، نسائی) اور اصول یہ ہے کہ مستثنیٰ کا حکم مستثنیٰ منہ کے خلاف ہوتا ہے۔ اگر ایک میں اثبات ہوگا تو دوسرے میں نفی ہوگی۔ اور اگر ایک میں نفی ہوگی تو دوسرے میں اثبات ہوگا۔ اسی لئے علماء اصول نے لکھا ہے کہ مستثنیٰ منہ کے لئے جو حکم کسی جملہ میں ثابت ہو، اس کی ضد مستثنیٰ میں ثابت ہو جاتی ہے۔ اگر نفس الامر میں اس کی ضد ایک ہی ہو تو وہ حتما

متعین ہوگی۔ جیسے کل شیء ھالك الا وجھه۔ اور اگر اس مستثنیٰ منہ کے لئے اضداد کثیرہ ہوں اور وہ اضداد کثیرہ بصورت کلیات مشککہ درجات میں متفاوت ہوں تو اس صورت میں مستثنیٰ کے لئے ضد ادنی تو بلا قرینہ ثابت ہوگی۔ مثلاً یہاں نہی سے استثناء ہے تو اس کی ضد ادنی اباحت تو بلا قرینہ ثابت ہوگی۔ ہاں دوسرے دلائل و قرائن ہوں تو ضد اوسط یعنی سنیت اور ضد اعلیٰ یعنی وجوب بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

مثال اول : ایک عورت عدت میں ہے۔ اس کے بارے میں ارشاد ہے "اور کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ اشارہ میں کہو پیغام نکاح ان عورتوں کا یا پوشیدہ رکھو اپنے دل میں۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم البتہ ان عورتوں کا ذکر کروگے"۔ آگے فرمایا: "ولکن لا تواعدو ھن سراالا ان تقولوا قولا معروفا(۲:۲۳۴) لیکن ان سے نکاح کا وعدہ نہ کر رکھو چھپ کر مگر یہی کہ کہہ دو بات رواج شریعت کے موافق"۔ اب دیکھئے جو عورت عدت گزار رہی ہے اس سے نکاح کے پیغام کے بارہ میں خفیہ ساز باز سے منع کیا گیا۔ البتہ اس نہی سے رواج شریعت کے موافق بات کہنے کو مستثنیٰ قرار دیا۔ تو رواج شریعت کے مطابق بات کہنے کی صرف اجازت ہوگی۔ کوئی کہے یا نہ کہے یہ اباحت نہیٔ کی ضد ادنی ہے۔ کوئی بیوقوف یہ نہیں سمجھے گا کہ ہر آدمی پر فرض ہے اس عورت کو شریعت کے موافق بات کہے۔ بلکہ ہر عاقل یہی کرے گا کہ درجہ اباحت میں بھی ایسی بات نہ کہے۔

مثال دوم : فرمان خداوندی ہے: "نہ بناویں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر۔ اور جو کوئی یہ کام کرے تو نہیں اس کو اللہ سے کچھ تعلق۔ الا ان تتقوا عنھم تقاۃ۔ مگر اس حالت میں کرنا چاہو تم ان سے بچاؤ (۳:۲۸) اس میں کفار سے دلی دوستی سے نہی فرمائی اور صرف بچاؤ کی ضرورت کا استثناء

فرمایا کہ ایسی حالت میں ان سے مدارت کی اجازت ہے اگر کرے تو۔ مگر کسی کے ہاں یہ کفار سے دوستی فرض واجب نہیں۔

مثال سوم : ارشاد الٰہی ہے: "اے ایمان والو! نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق۔ الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔ مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے (۴:۲۹) اب یہاں تجارت کی اجازت ہے۔ کسی کے ہاں بھی ہر شخص پر تجارت کرنا فرض نہیں۔ اسی طرح احادیث میں بھی اس کی بہت سی مثالیں ہیں: عورت اپنے خاوند کے مال سے کچھ خرچ نہ کرے۔ الا باذن زوجھا۔ مگر خاوند کی اجازت سے۔ (ترمذی) یہ اذن اباحت کا ہے نہ کہ وجوب کا۔ نیز فرمایا بیع سے الگ نہ ہو مگر رضا سے۔ اب اگر بیع تام ہوگئی تو اکٹھے بیٹھنا حرام نہیں۔ البتہ چلے جانے کی اجازت ہے۔ عورت روزہ نہ رکھے مگر خاوند کی اجازت سے۔ اجازت کے ساتھ روزہ رکھنا کسی کے نزدیک فرض نہیں ہوجاتا۔ اس کی ایک اور بالکل عام فہم مثال لیں۔ مثلاً ایک لڑکا روزانہ گھر سے سکول جاتا ہے اور چھٹی کے بعد سیدھا گھر نہیں آتا' کبھی کسی دوست کے ساتھ چلا گیا' کبھی کسی کے ساتھ۔ اور دیر سے گھر آتا ہے۔ والدین پریشان ہوتے ہیں۔ تو ایک دن والد صاحب نے ڈانٹا کہ خبردار! سکول سے چھٹی کے بعد سیدھے گھر آنا ہے' کسی کے گھر نہیں جانا مگر خالہ کے گھر۔ تو پہلی جماعت کا بچہ بھی یہ نہیں سمجھے گا کہ جیسے روزانہ سکول جانا ضروری ہے ایسے ہی خالہ کے گھر جانا بھی ضروری ہے۔ بلکہ وہ بھی یہی سمجھے گا کہ خالہ کے گھر جانے کی صرف اجازت ہے' پٹائی نہیں ہوگی' بلکہ خالہ کے گھر نہ جانا اور سیدھے گھر آنا ہی اصل بات ہے۔ اسی طرح اس زیر بحث حدیث میں آپ ﷺ نے اپنے پیچھے جہری نمازوں میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا۔ وانا اقول مالی ینازعنی القران فلا تقرء وا بشیٔ من القران اذا جھرت الا بام القران (ابوداؤد ص۲۱۸' ج۱) کہ باقی قرآن میں میرے

ساتھ منازعت نہ کرو مگر فاتحہ میں منازعت کر لیا کرو۔

منازعت کا معنی :

ہمارے ہاں منازعت کا معنی کسی کا حق چھیننا ہے۔ جیسے حدیث قدسی میں ہے کہ خداوند قدوس فرماتے ہیں عظمت و کبریائی میرا حق ہے' جس نے اس میں مجھ سے منازعت کی یعنی خود تکبر کر کے میرے حق میں دست درازی کی' میں اس کی کمر توڑ دوں گا۔ جس طرح کبریائی خداوند قدوس کا حق ہے' اور کوئی تکبر کرے تو اس نے خدا تعالیٰ کا حق چھینا۔ اسی طرح نماز باجماعت میں قراءت امام کا حق ہے۔ اگر مقتدی بھی قراءت کرتا ہے تو وہ اپنے امام کا حق چھینتا ہے۔ اور سب جانتے ہیں کہ مقتدی کا کام امام کی متابعت ہے نہ کہ امام سے منازعت۔ تو گویا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قراءت قرآن کے وقت کوئی میری متابعت سے نہ نکلے۔ ہاں اگر کوئی متابعت سے نکل کر منازعت میں آنا چاہتا ہے تو صرف فاتحہ میں کرے۔ اور اصل تو یہی ہے کہ امام کا حق نہ چھینا جائے اور متابعت ہی کی جائے۔ پھر مالی کا لفظ بھی اظہار غضب کے لئے آتا ہے جیسے مالی لا اری الهدهد۔ تو اگر اباحت ہو بھی تو آپ کی ناراضگی سے بچنا ہی چاہئے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے جس طرح نماز میں کنکریاں ہٹانے والے کو فرمایا: ان کنت لا بد فاعلا فواحدة۔ یعنی تو نہیں رہ سکتا تو صرف ایک مرتبہ کرلے۔ اسی طرح فاتحہ خلف الامام کے بارہ میں فرمایا: ان کنتم لا بد فاعلین فلیقرا احدکم فاتحه الكتاب فی نفسه (ابن ابی شیبہ ص ۴۱۰' ج ۱) اگر تم ضرور امام کے پیچھے قراءت کرنا چاہو تو تم میں سے کوئی فاتحہ پڑھ لے اپنے جی میں۔ البتہ غیر مقلدین کے ہاں منازعت کا معنی یہ ہے کہ مقتدی اتنا بلند آواز سے پڑھے کہ امام کے لئے قرآن پڑھنا مشکل ہو جائے۔ تو ان کے اس معنی کو سامنے رکھ کر حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ باقی قرآن تو اتنا بلند آواز سے نہ پڑھو کہ مجھے پریشانی ہو۔ ہاں

سورت فاتحہ اتنی بلند آواز سے پڑھو کہ مجھ سے منازعت ہو۔ اب ظاہر ہے کہ مقتدی جس پر متابعت فرض ہے' اس پر منازعت کو فرض نہیں کیا جاسکتا۔ اور غیر مقلدین کو اس حدیث کے مطابق فاتحہ اتنی بلند آواز سے امام کے پیچھے پڑھنی چاہئے کہ امام سے منازعت ہو جائے۔ اس پر ان کا عمل نہیں۔

جملہ تعلیلیہ :

فانہ لا صلوۃ لمن لم یقرا بھا۔ یہ جملہ منکرات محمد بن اسحاق سے ہے۔ کیونکہ اس قسم کا واقعہ اسی طرح کی ضعیف سندوں کے ساتھ حضرت انس ؓ' حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ' حضرت ابو قلابہ اور رجل من اصحاب النبی سے بھی مروی ہے۔ مگر کسی میں بھی یہ نہیں کہ جو امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اور حدیث عبادہ ؓ میں بھی محمد بن اسحاق ہی کے طریق میں ہے' یا ابن ابی فروہ ھالک کے طریق میں۔ اس لئے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور اگر بفرض محال یہ جملہ ثابت بھی ہو تو اس سے فرضیت فاتحہ خلف الامام ثابت نہ ہوگی۔ بلکہ صرف فاتحہ خلف الامام کی اباحت کی وجہ بیان فرمادی کہ اس سورت کو باقی قرآن کی نسبت نماز سے زیادہ تعلق ہے' کیونکہ یہ نماز میں واجب معین ہے اور باقی قرآن کا پڑھنا واجب مخیر ہے۔ اور اس پر زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اثری صاحب خود اس حدیث کا یہی مطلب امام ابو حنیفہ اور امام محمد سے نقل فرماتے ہیں۔ بحوالہ امام شعرانی۔ مقتدی کو سری نمازوں میں الحمد پڑھنا علیٰ سبیل الاحتیاط مستحسن ہے۔ اس لئے کہ مرفوع حدیث میں ہے کہ سوائے فاتحہ کے کچھ نہ پڑھو۔ (توضیح الکلام ص ۵۷' ج ۱) اس قول کی سند ہو یا نہ ہو اثری صاحب کے ہاں ثابت ہے۔ وہ اس کو استدلال سے پیش فرما رہے ہیں۔ مگر کوئی ان سے یہ نہ پوچھے کہ اس حدیث میں تو جہری نماز کی صراحت ہے۔ اس کو سری پر کیسے فٹ کرلیا۔ اور جناب اثری صاحب کے نزدیک سری

نمازوں میں فاتحہ کے علاوہ قرآن پڑھنا مستحب ہے۔ اب منع کیوں ہوگیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب لکھنے کا مقصد مطلب پرستی ہے تحقیق حق نہیں۔

رفع تعارض :

پہلے عرض کیا گیا تھا کہ کسی حدیث پر بحث کے تین مدارج ہیں: (۱) ثبوت۔ (۲) دلالت، (۳) رفع تعارض۔ زیر بحث حدیث عبادہ ؓ کے بارہ میں اختصار کے ساتھ پہلی بحث میں معلوم ہوا کہ یہ حدیث نہ تو غیر مقلدوں کے اصول پر صحیح ہے کہ اسے خدا یا رسول ﷺ نے صحیح کہا ہو۔ اور نہ ہی دلیل اجماع سے صحیح ہے کہ چاروں ائمہ کرام جن کی فقہ امت میں اسی طرح متواتر ہے جس طرح قرآن کی سات قراءتیں، نے اس کے مطابق فتویٰ دیا ہو اور نہ چوتھی دلیل سے ہی اس کی صحت ثابت ہے کہ ائمہ اربعہ کے اختلافی اصولوں سے ہی کسی امام کے اصول پر اس کی صحت ثابت ہو جائے۔ دوسری بحث دلالت پر اختصار کے ساتھ ہوگئی کہ اگر بالفرض یہ ثابت بھی ہوتی تو اس سے فاتحہ کی اباحت ثابت ہوگی کہ خواہ کوئی پڑھے یا نہ پڑھے بلکہ نہ پڑھنا ہی زیادہ بہتر ہوگا۔ اب تیسری بحث شروع ہوتی ہے کہ کیا کوئی دوسری دلیل شرعی اس سے معارض ہے۔ اگر ہے تو پھر اس کا حل کیا ہے؟ تو یہ حدیث کئی ایک آیات واحادیث سے متعارض ہے۔

آیت اول :

لا تجهر بصلوتك ولا تخافت بها وابتغ بين ذالك سبيلا (بنی اسرائیل-۱۱۰) "اور پکار کر مت پڑھ اپنی نماز اور نہ چپکے پڑھ اور ڈھونڈ لے اس کے بیچ میں راہ۔" حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں چھپ کر نماز باجماعت پڑھاتے۔ اور (جہری) نماز میں بہت بلند آواز سے قراءت کرتے۔ تو مشرکین مکہ قراءت کی آواز سن کر گالیاں بکنے لگتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا کہ نہ تو آپ اتنی بلند آواز سے

قراء ت کریں کہ کافر سن کر گالیاں بکیں اور نہ اتنی آہستہ قراء ت کریں کہ آپ کے صحابہ جو آپ کے پیچھے مقتدی ہیں ان کو بھی نہ سنائیں (بخاری ص ۶۸۲' ج ۲۔ مسلم' نسائی' ترمذی) اس حدیث پاک سے اور آیت کریمہ سے صاف واضح ہو گیا کہ امام کی جہر قراء ت کا مقصد ہی مقتدیوں کو سنانا ہے۔ اور یہ کہ صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں قرآن سنا کرتے تھے نہ کہ خود پڑھا کرتے تھے۔ اسی لئے شیخ ابن تیمیہ یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو امام کے جہر کو نہیں سنتا وہ گدھا ہے۔ اور زیر بحث حدیث اس آیت کے خلاف مقتدیوں کو سننے کی بجائے پڑھنے کی اجازت دیتی ہے۔

دوسری آیت :

قال قد اجیبت دعوتکما فاستقیما ولا تتبعن سبیل الذین لا یعلمون (یونس۔۸۹) " فرمایا قبول ہو چکی دعا تمہاری۔ سو تم دونوں ثابت رہو اور مت چلو راہ ان کی جو ناواقف ہیں۔ "

آیت ۸۸ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے جو قال موسیٰ کے صیغہ سے شروع ہو رہی ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام اکیلے دعا مانگ رہے ہیں۔ لیکن آیت ۸۹ میں ہے کہ دونوں کی دعا قبول ہو گئی۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ دعا موسیٰ علیہ السلام نے مانگی تھی اور ہارون علیہ السلام نے ان کی دعا پر آمین کہہ دی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ دعا موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھی قبول ہو گئی' کیونکہ انہوں نے خود دعا مانگی تھی اور ہارون علیہ السلام کی طرف سے بھی وہی دعا قبول ہو گئی۔ کیونکہ اگرچہ حضرت ہارون علیہ السلام نے دعا خود نہیں مانگی تھی مگر اس دعا پر آمین کہہ دی تھی تو وہ دعا ان کی طرف سے بھی قبول ہو گئی۔ اسی لئے اس مسئلہ پر پوری امت کا اتفاق ہے کہ اگر ایک آدمی دعا کرے اور باقی اس دعا پر آمین کہہ لیں تو وہ دعا سب کی طرف سے ہو جاتی ہے۔ جہری نماز میں جب

امام سورت فاتحہ پڑھتا ہے اور سورت فاتحہ میں جمع کے صیغے ہیں۔ پھر مقتدی امام کی فاتحہ پر آمین کہہ لیتے ہیں تو وہ فاتحہ سب کی طرف سے اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتے ہیں۔ لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ غیرمقلد قبول نہیں کرتے۔

تیسری آیت :

لا تحرك به لسانك لتعجل به۔ ان علينا جمعه و قرانه۔ فاذا قراناه فاتبع قرانه (القیامہ-۱۷-۱۸) "نہ چلا تو اس کے پڑھنے پر اپنی زبان تاکہ جلدی اس کو سیکھ لے۔ وہ تو ہمارا ذمہ ہے۔ اس کو جمع رکھنا تیرے سینے میں اور پڑھنا تیری زبان سے۔ پھر جب ہم پڑھنے لگیں فرشتہ کی زبانی تو ساتھ رہ اس کے پڑھنے کے۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن پڑھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آہستہ آہستہ پڑھتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹ مبارک ہلتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا کہ جب جبرئیل ہماری طرف سے قرآن پڑھے تو اتباع کر اور اتباع کا معنی ہے فاستمع له وانصت کہ ادھر توجہ کر اور خاموش رہ۔ معلوم ہوا کہ اگر زبان حرکت کر جائے تو بھی انصات اور اتباع کے خلاف ہے اور اگر ہونٹ حرکت کر جائیں تو بھی انصات اور اتباع کے خلاف۔ معلوم ہوا کہ جب قرآن پڑھے تو اس کی اتباع اس کے ساتھ ساتھ پڑھنا نہیں۔ بلکہ ہمہ تن متوجہ ہو کر ایسا خاموش رہنا کہ نہ زبان حرکت کرے نہ ہونٹ۔ اب غور کرو کہ حدیث زیر بحث مقتدی کو متابعت سے نکال کر منازعت کی اجازت دے رہی ہے جو قرآن پاک کے خلاف ہے۔

چوتھی آیت :

واذا قری القران فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون (الاعراف-۲۰۴) "اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو

اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔"

اس آیت کریمہ سے یہ تو پتہ چلتا ہے کہ جب کوئی قرآن پڑھے تو سب توجہ کریں اور خاموش رہیں۔ اور اتنا بھی معلوم ہوا کہ پڑھنے والا ایک ہوگا اور خاموش رہنے والے زیادہ ہوں گے۔ امام نسائی نے اپنی کتاب میں اس آیت کریمہ کا باب باندھا۔ اور اس کے نیچے حدیث رسول واذا قرا فانصتوا ذکر فرمائی۔ جس سے یہ بات دوپہر کے سورج کی طرح واضح ہوگئی کہ آنحضرت ﷺ نے اس آیت کا تعلق نماز باجماعت کے ساتھ جوڑا۔ اور فرمایا کہ جب نماز باجماعت میں امام قراءت کرے، یعنی فاتحہ و سورت پڑھے تو تم خاموش رہو۔ امام نسائی نے اس آیت کریمہ اور حدیث پاک کو زیر بحث حدیث عبادہ ؓ کے بعد لکھا ہے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ اگر بالفرض زیر بحث حدیث عبادہ صحیح بھی ہو تو قرآن پاک میں سے ۱۱۳ سورتوں کا پڑھنا تو فرش والے یعنی رسول اقدس ﷺ نے منع فرمادیا تھا۔ ایک فاتحہ کی اجازت تھی۔ اس کو منع کرنے کے لئے عرش والے نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی۔ اب پورے قرآن کا مسئلہ واضح ہوگیا کہ امام کے پیچھے حالت قراءت میں مقتدی نے قرآن میں سے کچھ نہیں پڑھنا۔

مکہ مکرمہ :

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے اور فرماتے کہ "آیت واذا قری القران کے پیش نظر (نماز سے باہر کوئی قرآن پڑھے تو) تو کوئی پابندی نہیں۔ کوئی سننا چاہے سنے اور جانا چاہے چلا جائے۔ یہ آیت تو فرض نماز اور نماز جمعہ و نماز عیدین کے بارہ میں نازل ہوئی ہے کہ جب امام ان میں قراءت کرے تو نہ مقتدی جماعت کو چھوڑ کر جا سکتا ہے نہ امام کے ساتھ پڑھنے کی اجازت ہے۔ بلکہ وہ امام کے قرآن کی طرف کان لگائے اور خاموش رہے۔ خود

نہ پڑھے (کتاب القراۃ ص ۸۸) بلکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو اس آیت کے نازل ہونے کے بعد امام کے پیچھے قراءت کرتے ہیں وہ گدھوں سے زیادہ جفا پیشہ ہیں (کتاب القراۃ) لیکن پورے مکہ مکرمہ میں ایک صحابی اور ایک بھی تابعی مفسر کی آواز اس کے خلاف نہ اٹھی کہ اس آیت کا تعلق نماز باجماعت سے نہیں۔

مدینہ منورہ :

حضرت عبداللہ بن عمرؓ مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ بنی اسرائیل (یہودی اور عیسائی) جب باجماعت نماز پڑھتے تو اپنے امام کے پیچھے قراءت کرتے (اس طریقہ پر ابتداء میں صحابہ بھی آپ کے پیچھے قراءت کرتے رہے) لیکن اللہ تعالیٰ کو زیادہ دیر تک یہ پسند نہ آیا (کہ امت محمدیہ بھی یہودی طرز پر امام کے پیچھے قراءت کرے) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت واذا قری القران نازل فرمادی کہ جب نماز باجماعت میں امام قرآن پڑھے تو تم توجہ کرو اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحم ہو۔ (الدرالمنثور)

اور پورے مدینہ منورہ میں کسی ایک بھی صحابی تابعی مفسر کی آواز اس کے خلاف نہ اٹھی۔ معلوم ہوا اس پر سب کا اتفاق تھا۔ حضرت مجاہد تابعی مدنی بھی فرماتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نماز میں قراءت کرتے تھے۔ آپ کے ساتھ ایک انصاری جوان بھی پڑھتا تھا۔ اس پر آیت واذا قری القران نازل ہوئی۔ امام زہری بھی یہی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نماز میں قراءت کرتے تھے اور ایک انصاری نوجوان بھی آپ کے ساتھ قراءت کرتا تھا تو یہ آیت واذا قری القران نازل ہوئی۔ اور اس بات کا مدینہ کے کسی صحابی یا تابعی مفسر نے انکار نہ کیا۔ ان روایات سے یہ بھی صراحتاً معلوم ہوا کہ یہ آیت مدنی ہے۔

کوفہ :

دور صحابہ و تابعین میں کوفہ بھی دارالعلم تھا، جس میں ایک ہزار سے زیادہ صحابہ اور ہزارہا تابعین تھے۔ یہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ درس کتاب و سنت دیتے تھے۔ آپ ہی مسجد اعظم کوفہ میں امام نماز تھے۔ آپ نے سنا کہ چند آدمی امام کے ساتھ قراءت کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کیا وہ وقت ابھی نہیں آیا کہ تم سمجھ اور عقل سے کام لو۔ جب امام نماز میں قرآن کی قراءت کرے تو تم اس کی طرف توجہ کرو اور خاموش رہو جیسا کہ اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے (ابن جریر ص ۱۰۳، ج۹) نیز فرماتے: "امام کے پیچھے خاموشی اختیار کرو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ خود پڑھنے سے امام کی قراءت سننے سے آدمی رہ جاتا ہے۔ اور امام کا پڑھنا ہی تمہیں کافی ہے (الگ قراءت کی ضرورت نہیں) (کتاب القراۃ) اور پورے کوفہ میں کسی صحابی یا تابعی مفسر نے یہ نہیں کہا کہ اس آیت کا نماز باجماعت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

بصرہ :

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بھی اس آیت کا شان نزول نماز ہی بتاتے ہیں اور امام حسن بصری بھی یہی بتاتے ہیں (کتاب القراۃ) اور کسی بھی صحابی یا تابعی مفسر نے بصرہ میں اس کا انکار نہیں کیا۔ اس پر ایک لشکری بولا ہم صحابہ کو نہیں مانتے۔ ہمارے عبداللہ بہاولپوری اور عبداللہ ڈیرہ غازیخان نے کہا ہے کہ یہ آیت ہمارے لئے ہے ہی نہیں، یہ تو کافروں کے لئے ہے۔ اس پر سب لوگ اس جسارت پر انگشت بدنداں رہ گئے۔ معلوم ہوا کہ زیر بحث حدیث نزول آیت سے پہلے دور کی ہے۔ جس طرح بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے والی حدیث آیت فول وجهك شطر المسجد الحرام سے پہلے کی ہے اور نماز میں باتیں کرنے والی روایات آیت قوموا للّٰه قانتین سے پہلے کی ہیں۔

حدیث منازعت :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے اور یہ ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کسی نے بھی ابھی میرے ساتھ قراءت کی ہے؟ ایک شخص بولا جی ہاں یا رسول اللہ! میں نے قراءت کی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا جبھی تو میں (دل میں) کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن کریم کی قراءت میں منازعت اور ہاتھاپائی کیوں ہو رہی ہے؟ اس ارشاد کے بعد جن نمازوں میں آپ جہر کرتے تھے لوگوں نے آپ کے پیچھے قراءت ترک کردی (موطا امام مالک) یہ ثلاثی اور عالی الاسناد حدیث ہے۔ اس پر غور فرمائیں کہ اس نماز میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ شریک ہیں۔ گویا یہ اس زمانہ کی حدیث ہے جب لوگ دھڑا دھڑ خود آکر اسلام قبول کر رہے تھے اور یدخلون فی دین اللہ افواجا کا منظر سامنے تھا۔ اس وقت مسجد نبوی کتنی بھری ہوئی ہوگی۔ لیکن پوری مسجد میں صرف ایک آدمی نکلا جس نے آپ ﷺ کے ساتھ قراءت کی۔ حضرت ابو ہریرہ رجل نکرہ استعمال فرما رہے ہیں۔ گویا یہ شخص کوئی اکابر اور حاضرباش صحابہ میں سے نہ تھا۔ ورنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ضرور اس کا نام بیان فرماتے۔ اب مسجد کے وہ تمام نمازی جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ قراءت نہ کی تھی ان سے تو آپ ﷺ نے نہیں فرمایا کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی نہ انہیں ڈانٹا۔ لیکن اس شخص کی دیکھو کیسی شامت آئی۔ آپ غصے میں اسے ڈانٹ رہے ہیں۔ اسے سمجھا رہے ہیں کہ تیرا فرض متابعت تھا تو منازعت پر کیوں اتر آیا۔ اس کے بعد سب لوگ جہری نمازوں میں آپ ﷺ کے پیچھے قراءت سے رک گئے۔ اب ایک بھی قراءت خلف الامام کا قائل نہ رہا۔

ا- دور حاضر کے غیر مقلدین کے مایہ ناز محدث جناب ناصرالدین البانی نے اپنی کتاب صلاۃ النبی میں زیر بحث حدیث عبادہ لکھ کر پھر حدیث منازعت نقل کی ہے

اور صراحتاً تسلیم کیا ہے کہ یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ناسخ ہے اور حدیث عبادہ منسوخ ہے۔

۲- امام ابو بکر بن ابی شیبہ ۲۳۵ھ نے ص۴۱۰، ج۱ پر حدیث عبادہ پر یہ باب باندھا ہے: من رخص فی القراۃ خلف الامام کہ اس سے صرف رخصت ثابت ہوئی۔ پھر ص۴۱۲، ج۱ پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث منازعت لائے ہیں اور اس پر باب ان الفاظ میں باندھا ہے۔ باب من کرہ القراۃ خلف الامام۔ گویا اب حدیث عبادہ پر عمل مکروہ قرار دے دیا گیا۔

۳- امام عبدالرزاق (۱۲۶-۲۱۱ھ) نے ص۱۳۰، ج۲ پر حدیث عبادہ کو موقوفاً ذکر کیا ہے۔ اور ابی امیہ ازدی اور رجا بن حیوہ دونوں نے عبادہ پر اعتراض ہی کیا ہے۔ پھر ص۱۳۵، ج۱ پر حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منازعت لائے ہیں۔ اور کئی اور احادیث مرفوعہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لائے ہیں کہ جس نے امام کے پیچھے قراءت کی وہ فطرت سے ہٹ گیا۔ اور زید بن ثابت فرماتے ہیں جس نے امام کے پیچھے قراءت کی اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اور یہ کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکرؓ، عمر اور عثمان امام کے پیچھے قراءت سے منع کرتے تھے ص۱۳۹، ج۲۔ اور یہ کہ سری نمازوں میں قراءت خلف الامام کی بدعت ابن زیاد کی وجہ سے شروع ہوئی ص۱۴۱، ج۲۔

۴- امام ابوداؤد نے بھی پہلے حدیث عبادہ کا ذکر فرمایا اور اگلے باب میں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث منازعت لاکر اس ترتیب سے واضح کر دیا کہ حدیث عبادہ پہلے زمانے کی ہے اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کی ناسخ ہے۔

۵- امام ترمذی بھی زیر بحث حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث منازعت لائے ہیں۔ جس سے واضح کر دیا کہ پہلے باب القراۃ خلف الامام میں امام کے پیچھے صرف فاتحہ کی اجازت تھی۔ دوسرے باب ترک القراۃ خلف

الامام میں بتا دیا کہ فاتحہ بھی امام کے پیچھے ترک کردی گئی۔ اور اسی پر تمام صحابہ کرام کا اتفاق ہوگیا۔

ڈانٹ ڈپٹ :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے مقتدیوں سے پوچھا کیا اب بھی کوئی میرے ساتھ قراءت کرتا ہے تو صرف ایک آدمی قراءت کرنے والا نکلا۔ اور باقی سب معروف صحابہ میں سے کوئی قراءت خلف الامام کا قائل نہ تھا۔ ان کو رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں فرمائی۔ لیکن وہ ایک آدمی جس نے قراءت کی تھی اسی کو ڈانٹ ڈپٹ فرمائی۔ اس لئے صحابہ اور تابعین نے بھی ہمیشہ قراءت خلف الامام کے قائلین کو ڈانٹ ڈپٹ فرمائی۔ قراءت نہ کرنے والوں کو کبھی ڈانٹ ڈپٹ نہ فرمائی۔

الامام المجتہد امام محمد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ کاش امام کے پیچھے قراءت کرنے والے کے منہ میں پتھر ہوتا۔ حضرت زید بن ثابت جنہوں نے قرآن پاک جمع فرمایا کہ جو امام کے پیچھے قراءت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور مستجاب الدعوات ہیں' فرماتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ جو امام کے پیچھے قراءت کرے اس کے منہ میں انگارہ ہو۔ (موطا محمد ص۱۰۱) خلیفہ راشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں جس نے امام کے ساتھ قراءت کی وہ فطرت (دین حق) پر نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' حضرت اسود نخعی اور حضرت علقمہ بن قیس فرماتے ہیں کہ اس کے منہ میں مٹی ہو۔ اور ایک قول میں اسود اور علقمہ سے انگارہ کا لفظ ہے۔ اور باب مدینۃ العلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی ایک ارشاد ہے کہ جو امام کے ساتھ قراءت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی

(عبدالرزاق) امام ابوبکر بن ابی شیبہ اور امام طحاوی نے بھی ایسی بہت سی ذاتیں نقل فرمائی ہیں۔ ایک لشکری کہنے لگا کہ بہت سے صحابہ اور تابعین ہماری طرح یہ کہتے تھے کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت نہ کرے اس کی نماز باطل اور بے کار ہے۔ میں نے کہا کہ یہ سب صحابہ اور تابعین پر جھوٹ ہے۔ کسی ایک صحابی اور تابعی سے بھی آپ ثابت نہیں کر سکتے کہ اس نے کہا ہو کہ جو امام کے پیچھے قراءت نہ کرے اس کی نماز باطل اور بے کار ہے۔ ہم نے کہا آپ یہ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم سے دکھا سکتے ہیں؟ وہ نہ دکھا سکا۔ کیا باقی عشرہ مبشرہ سے دکھا سکتے ہیں؟ وہ نہ دکھا سکا۔ کیا مہاجرین صحابہ سے دکھا سکتے ہیں؟ مگر وہ نہ دکھا سکا۔ کیا انصار صحابہ سے دکھا سکتے ہیں؟ وہ نہ دکھا سکا۔ کیا بعد میں ایمان لانے والے صحابہ سے دکھا سکتے ہیں؟ وہ نہ دکھا سکا۔ اسی طرح پوچھا گیا کہ مکہ مکرمہ کے کسی فقیہ تابعی سے دکھا دیجئے۔ خاموش۔ مدینہ منورہ کے کسی فقیہ سے کہلوا دیجئے۔ خاموش۔ کوفہ کے کسی فقیہ تابعی کا فتویٰ لے آیئے۔ خاموش۔ بصرہ کے کسی فقیہ تابعی کا قول پیش کر دیجئے۔ لیکن وہاں موت کی سی خاموشی تھی۔ سب لوگوں نے سمجھایا کہ دین کی عظمت کا خیال رکھو۔ دین میں اتنی دلیری سے جھوٹ بولنے سے انسان کی دنیا و آخرت دونوں برباد ہو جاتی ہیں۔

یادداشت :

(۱) ہر مسلمان جانتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کچھ عرصہ بیت المقدس کی طرف نماز ادا فرماتے رہے کیونکہ یہ پہلی شریعتوں کا قبلہ تھا۔ پھر جب اس شریعت کا حکم نازل ہو گیا کہ مسجد حرام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو تو پہلی شریعت کا حکم ختم ہو گیا۔ اسی طرح بعض احادیث سے جو پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام نماز میں بات کر لیا کرتے تھے، تو یہ حکم کوئی قرآن حدیث نے نہیں دیا تھا۔ بلکہ یہود و نصاریٰ کی شریعتوں میں نماز میں بات چیت جائز تھی۔ اور ابھی تک اس

شریعت میں منع نہیں آیا تھا۔ پھر جب آیت قوموا للہ قانتین نازل ہوئی تو حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا (بخاری مسلم) اب کلام ہر نماز میں منع ہو گیا۔ کسی نے یہ تقسیم نہ کی کہ جہری نمازوں میں کلام منع ہے سری میں نہیں۔ یا امام سورت پڑھے تو کلام منع ہے' فاتحہ پڑھے تو منع نہیں۔ یا بلند آواز سے نماز میں کلام منع ہے' آہستہ آواز سے منع نہیں۔ بلکہ ہر نمازی کے لئے ہر قسم کا کلام منع ہو گیا۔ اسی طرح صحابہ کرام جو امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے اس کا کبھی اسلام میں حکم نازل نہیں ہوا بلکہ بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بنی اسرائیل اپنی نماز میں امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے۔ اسی پہلی شریعت کے مطابق یہ حضرات قراءت کرتے رہے۔ پھر جب آیت کریمہ نازل ہوئی تو قراءت خلف الامام سے منع کر دیا گیا۔ اب نہ جہری نماز میں مقتدی کے لئے قراءت کی گنجائش رہی اور نہ سری میں' نہ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش رہی اور نہ سورت پڑھنے کی۔ نہ بلند آواز سے پڑھنے کی گنجائش رہی نہ آہستہ آواز سے پڑھنے کی۔ اور چاروں اماموں کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ رکوع پانے والے کی رکعت شمار ہو گی۔

(۲) پہلے لوگ شراب پیتے تھے۔ اس لئے بعض حضرات مسلمان ہونے کے بعد بھی پیتے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آہستہ آہستہ احکام منع نازل فرمائے۔ پہلے صرف اتنا ارشاد فرمایا کہ شراب اور جوئے کا گناہ نفع سے زیادہ ہے۔ تو اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی وقت چھوڑ گئے۔ پھر خاص اوقات نماز میں شراب پینے سے صراحتاً منع کر دیا گیا۔ اور آخر کار سورۃ المائدہ میں شراب کی ہمہ وقتی ممانعت نازل ہو گئی۔ اب کسی وقت بھی شراب کے استعمال کی کوئی گنجائش نہیں۔ کتب احادیث و تاریخ میں ہر دور کے واقعات مل سکتے ہیں۔ لیکن پہلے اور دوسرے دور کے واقعات کو اب عوام کے سامنے لا کر جواز شراب کے شبہات پیدا کرنا دین کی

کوئی خدمت نہیں ہے۔

اسی طرح اب یہ مسئلہ بھی سمجھیں کہ نماز میں قراءت کے دو حصے ہیں۔ ایک فاتحہ اور ایک سورت۔ فاتحہ میں بندے اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں اپنی ہدایت کی درخواست پیش کرتے ہیں۔ اھدنا الصراط المستقیم۔ فاتحہ کے بعد والی ۱۱۳ سورتیں اسی دعاء و درخواست کا جواب ہیں ذالك الكتاب لا ريب فيه هدى للمتقين۔ اے ہدایت کی درخواست کرنے والے یہی کتاب راہ ہدایت ہے۔ اب ہدایت کی درخواست تو سب کرتے تھے۔ اس درخواست کا جواب تلاوت سورت میں امام خدا کی طرف سے دیتا ہے۔ اسی لئے سب بندوں کو ہمہ تن گوش ہوکر اپنی درخواست کا جواب سننے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ جہری نماز میں فاتحہ کے علاوہ ۱۱۳ سورتوں کا پڑھنا مقتدیوں کو منع کردیا گیا۔ اور کہا گیا کہ اپنی درخواست کا جواب خدا کی طرف خدا کے نمائندے یعنی امام کی زبان سے سنو۔ یہ پہلا منع تھا۔ اب بنی اسرائیل میں چونکہ آمین نہیں تھی اس لئے درخواست والا حصہ پڑھنے کی بھی سب کو اجازت تھی۔ چنانچہ اس امت میں بھی ابتداء میں یہی طریقہ رہا' لیکن جب اس امت کو آمین سے نوازا گیا اور حکم ہوا کہ امام کی فاتحہ پر آمین کہا کرو تو اب یہ مجموعی درخواست قرار پائی۔ اب ہر مقتدی کو الگ الگ فاتحہ پڑھنے کی جہری نمازوں میں گنجائش نہ رہی۔ اب فاتحہ میں امام سب مقتدیوں کا نمائندہ قرار پایا۔ اور اس کے بعد والی قراءت میں بندوں کی درخواست کا جواب دینے میں خدا کا نمائندہ قرار پایا۔ جیسے ایک پورے محلے نے بجلی کی درخواست دینی ہو تو درخواست ایک ہی آدمی لکھے گا' دستخط اور نشان انگوٹھا باقی بھی لگا دیں گے۔ اب وہ درخواست صرف ایک آدمی کی نہیں ہوگی جس نے خود لکھی ہے' بلکہ ان سب کی طرف سے بھی ہوگی جن کے دستخط اور نشان انگوٹھے پر ثبت ہیں۔ اسی طرح جب جہری نماز میں امام نے فاتحہ پڑھی اور

باقی نے آمین کہہ لی تو وہ فاتحہ صرف امام ہی کی طرف سے نہیں ہوگی بلکہ سب مقتدیوں کی طرف سے ہوگی۔ اب جس طرح اجتماعی درخواست کے بارہ میں یہ کہنا کہ وہ صرف ایک لکھنے والے کی طرف سے ہے' باقی اہل محلہ کی طرف سے نہیں ایک حماقت اور جہالت ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ امام کی فاتحہ صرف امام کی طرف سے ہوئی ہے۔ اور مقتدیوں کی طرف سے نہیں ہوئی' بالکل غلط بات ہے۔ یہ دوسرا قدم تھا۔ پھر قرآن پاک کی آیت نے نازل ہو کر جہری اور سری میں مطلق قراءت سے منع کردیا۔ اب نہ مقتدی کے لئے فاتحہ کی گنجائش رہی نہ سورت کی' نہ آہستہ آواز سے قراءت کی اور نہ بلند آواز سے قراءت کی۔ یہ آخری اور تکمیلی قدم تھا جس سے مسئلہ مکمل ہوگیا۔ اب اسی مکمل مسئلہ پر عمل کرنا چاہئے اور اسی کی اشاعت ہونی چاہئے۔ اس کے بارہ میں وسوسے ڈالنے سے توبہ کرنی چاہئے۔

یہ بدعت کب شروع ہوئی؟

مسئلہ تو صاف طور پر معلوم ہوگیا۔ امام ابراہیم نخعی (۹۰ھ) فرماتے: ما کانوا یقرون خلف الامام حتی کان ابن زیاد فقیل لھم اذالم یجھر لو یقرا فی نفسہ فقرا الناس (عبدالرزاق ص۱۴۱' ج ۲) کہ کوئی بھی امام کے پیچھے قراءت نہیں کیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ابن زیاد جب نماز پڑھانے لگا تو اس کے بارہ میں کہا گیا کہ سری نمازوں میں امام بن کر بھی قراءت نہیں کرتا۔ (اب جب امام قراءت کرے تو مقتدیوں کی طرف سے ادا ہو۔ اور اگر امام ہی قراءت نہ کرے تو مقتدیوں کی طرف سے کیسے ادا ہوگی) تو پھر لوگ (سری نمازوں میں اس کے پیچھے اپنی) قراءت کرنے لگے اور یہی امام ابراہیم نخعی تابعی فرماتے ہیں: سب سے پہلی بدعت اسلام میں قراءت خلف الامام کی شروع ہوئی (یعنی) اور یہی امام ابراہیم نخعی فرماتے۔ سب سے پہلے جس نے امام کے پیچھے قراءت (کی بدعت شروع) کی وہ شاق یعنی امت میں پھوٹ ڈالنے والا تھا

اور نسخہ میں ہے فساق کہ وہ ایک بد معاش آدمی تھا۔ اور ایک روایت میں اس کا نام بھی بتایا ہے کہ وہ مختار تھا (ابن ابی شیبہ) گویا یہ بدعت ابن زیاد کے عہد میں شروع ہوئی اور اس کے پیچھے پڑھنے والا پہلا بدعتی مختار تھا۔ اس تاریخی بات میں ابراہیم نخعی پر کسی تابعی یا تبع تابعی نے انکار نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ ابن زیاد جیسا امام جب خود ہی قراءت نہ کرتا تو مقتدی اپنی قراءت پڑھنے پر مجبور تھے۔ اس لئے جن بعض صحابہ یا تابعین سے سری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کرنا مروی ہے ان کی یہی مجبوری ہے۔ یہ واقعہ چونکہ کوفہ میں پیش آیا' اس لئے اہل کوفہ کو پوری بات کا علم تھا کہ جن بعض صحابہ یا تابعین نے سری نمازوں میں قراءت کی وہ مجبوری تھی' کیونکہ ان کا امام قراءت نہیں کرتا تھا۔ لیکن کوفہ سے باہر بعض لوگوں کو صرف اتنی بات پہنچی کہ فلاں فلاں صحابی یا تابعی سری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے۔ اتنی بات سے وہ سمجھے کہ شاید اس مسئلہ میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ چنانچہ بعض ائمہ نے سری نمازوں میں اس گنجائش کو اختیار کرلیا۔ اور مجتہد اگرچہ معصوم نہیں ہوتا لیکن مطعون بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ ہر حال میں ماجور ہوتا ہے۔ صواب تک رسائی ہو تو دو اجر۔ ایک اجتہاد کا اور ایک اصابت کا اور خطا ہو جائے تو بھی اجتہاد کا اجر اسے ملتا ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ مجتہدین میں اگر اختلاف ہو تو ہمیں اس مجتہد کی تقلید کرنی لازم ہے۔ جس کا مذہب ہمارے علاقہ میں معروف اور متواتر ہے۔ اور ہمارے ملک میں سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب ہی معروف اور متواتر ہے۔ اور ان کی تحقیق کتاب و سنت کی روشنی میں یہی ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی قراءت نہ کرے' نہ فاتحہ کی اور نہ سورت کی' نہ جہری نماز میں اور نہ سری نماز میں۔ ان کے مذہب مہذب کے خلاف بعض لوگوں نے جس حدیث کی آڑ لی تھی اس کی مختصر مگر مکمل تحقیق عرض کردی ہے۔ اللہ تعصب سے ہٹ کر بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور اہل سنت کے اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں۔